کہ اس ملک کے اتحاد و استحکام میں مشترکہ قومی زبان کا بڑا حصہ ہے اور اس کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انگریز قوم نے تمام علوم و فنون اپنی زبان میں حاصل کئے ہیں۔ اس تجربہ نے سرسید کی نظر میں اردو زبان کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیا اور وہ اس کو قومی اتحاد و استحکام اور ہر جہتی ترقی کا ذریعہ سمجھنے لگے

فرقہ پرستوں کا مایوس کن طرزِ عمل۔

سرسید تو اردو زبان کو قومی اتحاد کا ذریعہ بنا کر ملک و قوم کو ترقی دینے کی فکر میں تھے اور دوسری طرف بنارس کے فرقہ پرست ہندوؤں نے اردو۔ ہندی کا قضیہ کھڑا کر دیا۔ انگریزوں کی سرپرستی نے نئے تعلیم یافتہ ہندوؤں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے اور ان میں کچھ لوگ فرقہ پرست اور تنگ نظر بھی تھے جو یہ چاہتے تھے کہ جس قوم نے اس ملک پر صدیوں حکومت کی ہے اس کی یادگاروں کو مٹا دیا جائے۔ چنانچہ بنارس میں اردو زبان اور فارسی رسم الخط کو موقوف کر کے مقامی بھاشا کو دیوناگری رسم الخط میں جاری کرنے کی کوشش ہونے لگی اس کے لئے مختلف ناموں سے کمیٹیاں قائم کی گئیں اور اردو کے خلاف اس تحریک کو چلانے کیلئے الٰہ آباد میں ایک مرکزی مجلس قائم کی گئی۔ جب یہ تحریک دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنے لگی تو سرسید کو بڑی مایوسی ہوئی۔ مشترکہ زبان کی اساس پر قومی اتحاد کو تقویت دینے کے جو منصوبے بنا رہے تھے وہ سب خاک میں مل گئے اور ہندو فرقہ پرستوں کی سرگرمیوں سے ان کو یہ یقین ہو گیا کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کی ترقی کیلئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔ یہ اختلاف جدید تعلیم یافتہ ہندوؤں نے پیدا کیا تھا اور سرسید کو یقین تھا کہ ان لوگوں کی وجہ سے آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد بڑھے گا[1] اور ان کی یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

---

[1] حیاتِ جاوید ص ۱۹۴

ابن طقطقی
مترجمہ محمد جعفر پھلواروی

سلطانی امور اور فرمانروایانہ سیاست

"الفخری" تاریخ کا ایک معتبر، جامع اور مختصر ماخذ ہے اس کا مولف ابن طقطقی ہے۔ جو بہت روادار اور بڑا متوازن لکھنے والا ہے ہم اس وقت اس کے ابتدائی باب کا ترجمہ دے رہے ہیں جس میں اس نے بتایا ہے کہ فرمانروا کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے اور کن باتوں سے اجتناب ضروری ہے۔

فرمانروائی و ملک گیری کی حقیقت کیا ہے؟ دینی خلافت اور دنیوی سلطنت کی دو تقسیمیں کیا ہیں؟ شرعی حیثیت سے کون سی امارت یا ولایت صحیح ہے اور کون سی غلط؟ اہل الرائے امامت کے بارے میں کیا مذاہب رکھتے ہیں؟ یہ باتیں اس کتاب کا موضوع نہیں اس کا مقصد تو صرف یہ بتانا ہے کہ سیاست کے وہ کیا آداب ہیں جن سے پیش آنے والے حوادث یا جنگوں میں فائدہ اٹھایا جا سکے۔ نیز رعایا کے انتظام مملکت کے استحکام اور اخلاق و سیرت کی اصلاح میں بھی مدد لی جا سکے۔

عقل و عدل

اس سلسلہ میں بتانے کی پہلی چیز یہ ہے کہ ایک صاحب فضل فرمانروا وہ ہے جس میں کچھ باتیں موجود ہوں اور کچھ باتیں نہ ہوں چند خصوصیات ایسی ہیں جن کا ہونا ضروری ہے ان میں ایک چیز تو عقل ہے جو سب سے افضل صفت اور سب کی اساس ہے۔ حکومتوں بلکہ ملتوں کا نظم و نسق اسی عقل کی بدولت قائم رہتا ہے اور تنہا یہی صفت کافی ہوتی ہے۔ فرمانروائی کے اوصاف میں ایک صفت عدل بھی ہے اسی سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے اسی سے ماتحت علاقوں کی رونق قائم رہتی ہے اور اسی سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

سنہ ۶۵۶ھ میں جب ہلاکو نے بغداد کو فتح کیا تو علما سے ایک فتویٰ دریافت کیا جو یہ تھا کہ کافر مگر

عادل فرمانروا بہتر ہے یا مسلمان غیر عادل سلطان؟ مستنصریہ میں تمام علما کو جمع کیا۔ استفتا معلوم کرنے کے بعد علما اس سوال کا جواب دینے سے کترانے لگے۔ رضی الدین علی بن طاؤس بھی اس اجتماع میں موجود تھے جن کو خاص احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ انہوں نے علماء کی خاموشی دیکھی تو استفتے پر لکھ دیا کہ "کافر عادل غیر عادل مسلمان سے بہتر ہے" اس کے بعد دوسروں نے بھی اس جواب پر صاد کر دیا۔

علم

فرمانروائی کے لئے علم بھی بڑی ضروری چیز ہے یہ تو عقل کا ثمرہ ہے اسی سے فرمانروا کو اس بات کی بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ کونسا کام کرے اور کس کام کو نہ کرے اسی کی بدولت فیصلوں اور احکام میں لغزش سے وہ محفوظ رہتا اور اسی ذریعہ سے وہ عوام و خواص کی نگاہوں میں آراستہ ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے چوٹی کے فرمانرواؤں میں شمار ہوتا ہے۔

بعض حکما کا قول ہے کہ اگر فرمانروا علم سے خالی ہو تو وہ ایک مست ہاتھی کی طرح ہوتا ہے وہ جدھر سے گزرتا ہے اسے کچل ڈالتا ہے نہ اسے عقل پھٹکارتی ہے نہ علم ڈانٹ بتاتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ فرمانرواؤں کے علم کا مطلب مشکل مسائل کی موشگافی یا علوم کی باریکیوں کا تبحر یا علوم میں انہماک کا اہل نہیں جیسا کہ معاویہ کا قول ہے کہ "کتنا بیہودہ ہے وہ فرمانروا جو کسی علم کے حصول میں حد سے تجاوز کر جائے" فرمانروا کے علم سے مراد یہ ہے کہ اتنی بھر واقفیت ہو کہ ہر قسم کے اہل علم سے وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے گفتگو کر سکے۔ اسے محقق ہونے کی ضرورت نہیں۔ مؤید الدین محمد بن علقمی کو جو مستعصم باللہ اور دولت عباسیہ کا آخری وزیر تھا علوم میں ملکہ حاصل نہ تھا اور اس نے علوم کی تحصیل میں کوئی خاص یا منت و محنت بھی نہ کی تھی۔ لیکن جس قسم کا کوئی اہل علم آتا یہ اس سے فاضلانہ، عاقلانہ اور تشفی بخش گفتگو کر لیتا تھا ــــــ والئے موصل بدرالدین اَن پڑھ تھا۔ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔ لیکن اہل علم کی صحبت اور اشعار و حکایات پر غور و خوض کرنے کی وجہ سے وہ لطیف معانی پیدا کر لیتا اور باریک نکتوں کی تہ تک پہنچ جاتا تھا۔ عزیز الدین عبدالعزیز بن جعفر کو علوم میں کوئی دخل نہ تھا لیکن اہل علم کی بکثرت صحبتوں کی وجہ سے لطیف معانی کی تہ تک پہنچ جاتا تھا اور مشکل گتھیوں کو سلجھا دیتا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ لوگوں پر یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ بڑا فاضل ہے لیکن اس کی حقیقت

سبھوں سے مخفی تھی حتیٰ کہ اس کے افسر علاؤ الدین کے لئے بھی یہ راز ہی رہا۔ چنانچہ بصری شاعر ابن کبوش نے نے دو شعر عبدالعزیز کی طرف سے کہے جو عبدالعزیز نے خود علاؤ الدین کے سامنے اپنے شعر بنا کر سنائے لیکن لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ کس کے شعر ہیں وہ دو شعر یہ ہیں۔

عطاء ملک عطاءک ملک مصر ولبعض عبید دولتک العزیز

تجازی علی ذی ذنب بعفو ومثلک من یجازی او یجیز (دیگر دواوین)

بادشاہ کا عطیہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کا ملک مصر بخش دینا۔ آپ کی حکومت کا ایک ادنیٰ غلام ہے عزیز۔ آپ ہر گنہگار سے عفو کر کے بدلہ لیتے ہیں آپ سے بہتر بدلہ یا انعام دے بھی کون سکتا ہے؟

میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ کس بات پر زیادہ تعجب کروں؟ علاؤ الدین پر کہ اس سے عبدالعزیز کا حال کس طرح پوشیدہ رہا باوجود اس کے کہ برسوں دونوں سفر و حضر میں اور بزم و رزم میں ساتھ رہے۔ یا عبدالعزیز پر کہ اس نے ایسی رذیل حرکت کس طرح کی کہ اپنے افسر کے سامنے دوسرے کے اشعار کو اپنا بتا کے پیش کیا؟ اور اس بات کا اسے کوئی خوف نہ ہوا کہ جب علاؤ الدین کو اس کی حرکت کا علم ہوگا تو وہ اسے ذلیل نظروں سے دیکھے گا۔

علم و ماحول کا تعلق

فرمانرواؤں کے علوم ماحول کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ شاہانِ فارس کے علوم حکمت، وصایا، آداب، تواریخ، ریاضی وغیرہ ہیں اور فرماں روایان اسلام کے علوم لسانی ہیں۔ مثلاً نحو، لغت، شعر یا علمی مثلاً تواریخ وغیرہ۔ ان کے ہاں تو اعراب میں غلطی کرنا فرمانروا کے لئے بدترین عیب ہے انکے ہاں تو صرف ایک اعلیٰ حکایت یا ایک شعر بلکہ ایک لغوی لفظ سے بھی انسان کی منزلت بڑھ جاتی ہے۔ مغلوں کی حکومت میں یہ تمام علوم متروک ہو گئے دوسرے علوم نے ان کی جگہ لے لی، مثلاً سیاست، نظم ریاست اور آمد و خرچ کے لئے حساب کتاب کا علم (بجٹ) تندرستی اور امزجہ شناسی کے لئے علم طب، تعیین اوقات کے لئے علم نجوم وغیرہ ان کے علاوہ دوسرے علم و ادب ان کے ہاں بار نہ پا سکے دورِ مغلیہ میں یہ علوم صرف موصل ہی میں پھل پھول سکے۔

خدا ترسی

فرمانروا کے لئے خوف خدا بھی بڑا ضروری وصف ہے یہی تو ہر چیز کی جڑ اور ہر برکت کی کنجی ہے۔ فرمانروا جب تک خدا سے ڈرتا رہے گا اسوقت تک اللہ کے بندے اس سے امن میں رہیں گے۔ روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علی نے اپنے ایک غلام کو آواز دی مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ کئی بار پکارا مگر اس نے جواب نہ دیا۔ ایک شخص اندر آیا اور اس نے بتایا کہ "اے امیر المومنین! جسے آپ پکار رہے ہیں وہ دروازے پر کھڑا ہے، آپ کی آواز سن رہا ہے مگر بولتا نہیں۔ جب وہ غلام آیا تو آپ نے پوچھا کہ! تو نے میری آواز نہیں سنی؟ بولا! سنی تھی۔ فرمایا! تو پھر جواب کیوں نہ دیا؟ بولا: مجھے یہ یقین تھا کہ آپ کوئی باز پرس نہ فرمائیں گے۔" آپ نے فرمایا! شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے ایسا پیدا کیا جس سے اس کی مخلوق مامون ہے، ہارون الرشید کے بارے میں ابو نواس نے کیا مزے کی بات کہی ہے ؎

قد کنت خفتك ثم امنني — من ان اخافك خوفك الله (بحر کامل)

میں پہلے تجھ سے ڈرتا تھا لیکن تیرے خوف الہٰی نے مجھے تیرے خوف سے مامون کر دیا،

ہارون الرشید کوئی خوف خدا نہ رکھتا تھا اس نے اپنے نبی کی اولاد و بنت، بے گناہ آل علی کے کا یہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے خوف خدا نہ تھا لیکن ابو نواس نے ایک شاعر کی عادت کے مطابق بات کہہ دی۔ شاعر غلطیوں سے چشم پوشی اور ہفوات سے صرف نظر کرتے ہی میں ظاہر ہے کہ یہ بہترین صفت خیر ہے جس کے ذریعہ سے قلوب کو مائل کیا جاتا ہے اور نیتوں کی اصلاح ہوتی ہے چنانچہ اس وصف ہی کو نمایاں کرنے کے لئے یہ ارشاد باری ہے کہ:۔

وليعفوا وليصفحوا الا تحبون ان يغفر الله لكم؟

لوگوں کو عفو اور درگذر سے کام لینا چاہیئے کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ اللہ تعالیٰ بھی خطا پوشی کرے؟

مامون الرشید بھی حلیم تھا اور درگذر میں بڑا مشہور تھا۔ دعبل شاعر نے اس کی ہجو میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔ ان میں دو شعر یہ ہیں۔

انى من القوم الذين سيوفهم — قتلت اخاك وشرفتك بمقعد

شاد وابذکرک بعد طول خمولہ   واستنقذوک من الحضیض الاوھد (بحر کامل)

میں اس قوم سے ہوں کہ جس کی تلوار نے تمہارے بھائی (بنی فاطمہ) کو قتل کر کے تمہیں معزز مقام پر فائز کیا تمہارے ذکر کو طویل گمنامی کے بعد اچھالا اور تمہیں عمیق غار میں گرنے سے بچا لیا۔

مامون کو جب ان اشعار کی اطلاع ملی تو اس نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کہ "خدا اس سے سمجھے۔ کیسا بہتان باندھا ہے؟ میں گمنام کب تھا؟ میں خلافت کی گود میں اور خلافت ہی کے دودھ سے پلا ہوں"۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ دعبل نے اس کی ہجو کی ہے تو اس نے کہا کہ "جو میرے وزیر ابو عباد کی ہجو میں پیشقدمی کر سکتا ہے وہ میری ہجو کرنے سے کیوں ہچکچائے گا"۔ مامون کا یہ قول بظاہر بے جوڑ معلوم ہوتا ہے اور محتاج تاویل ہے کیونکہ مقصد شعر بالکل برعکس ہے یہ بات تو وزیر ابو عباد کو کہنی چاہیئے تھی کہ "جو خلیفہ کی ہجو کرتا ہے وہ میری ہجو سے کب ہچکچائے گا"؟ لیکن مامون کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جو ابو عباد کی گرم مزاجی، غصے اور جلد بازی کے باوجود اس کی ہجو کی جرأت کر سکتا ہے وہ میری حلیمی اور درگزر کی کے ہوتے ہوئے میری ہجو کیوں نہیں کر سکتا؟

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں اس موقعے پر بہت سے بردبار فرمانرواؤں کا ذکر کرتا۔ یہ فصل اس طویل گفتگو کا متحمل نہیں انشاء اللہ دوسری فصل میں اس دلچسپ موضوع کا ذکر آئے گا۔

صفائے دل

بعض لوگوں نے کینہ توزی کو فرمانرواؤں کے لئے قابل تعریف مصلحت خیال کیا ہے۔ بزرجمہر کہتا ہے کہ "فرمانروا کو اونٹ سے بھی زیادہ کینہ توز ہونا چاہیئے۔ لیکن مجھے اس کے اس قول سے سخت اختلاف ہے۔ ایسی بات کہی کیوں کر جا سکتی ہے؟ فرمانروا جب کینہ پرور ہوگا تو اس کی نیت رعایا کے بارے میں صالح نہیں ہوگی۔ وہ ان سے ناراض رہے گا اور ان پر التفات و شفقت کی نظر کم ہو جائے گی۔ پھر جب رعایا اس بات کو محسوس کرے گی تو ان کی نیت بھی بدل جائے گی اور ان کے دلوں میں فساد پیدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ عوام کی خوش دلی کے بغیر فرمانروا اپنی مملکت کے اہم امور کو اور اپنے مقاصد کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہ طرز عمل عقل و حکمت کے مطابق نہیں اور اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ فرمانروا کی زندگی منغص ہو جائے۔ رعایا کو اس سے

بغض پیدا ہو جائے اور وہ اس سے دور بھاگنے لگیں۔ عرب شاعر نے سچ کہا ہے:

ولا احمل الحقد القدیم علیهم ولیس رئیس القوم من یحمل الحقدا (بحر طویل)

میں ان سے کوئی پرانا کینہ نہیں رکھتا۔ اور جو کینہ رکھے وہ قوم کا سردار نہیں ہوتا۔

فیّاضی

فرمانروا کے اندر ایک اچھی خصلت اور بھی ہونی چاہیئے اور وہ ہے کرم (سخاوت)۔ دلوں کو مسخر کرنے، دنیا کی ہمدردی حاصل کرنے اور شرفا کو خدمت پر لگانے کے لئے یہی اصل بنیاد ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

اذا ملک لم یکن ذاهبة فدعه فدولته ذاهبة (بحر متقارب)

اگر فرمانروا بخشش والا نہ ہو تو اسے چھوڑ دو، اس کی حکومت ختم ہو جائے گی۔

حدیث نبوی میں آیا ہے۔ تجاوزوا عن ذنب السخی فان اللہ آخذ بیدہ کلما عثر و فاتح علیہ کلما افتقر۔ یعنی سخی کی غلطیوں سے درگزر کرو، کیونکہ جب وہ گرنے لگتا ہے خدا اسے سنبھال لیتا ہے اور جب وہ محتاج ہوتا ہے تو خدا اس پر رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ۔ الجود حارس الاعراض یعنی سخاوت آبرو کی محافظ، نگران ہوتی ہے۔

کسی کی سیرت میں سخاوت کی جو سب سے بہتر حکایت ملتی ہے وہ قاآن عادل۔ اوکتائی بن چنگیز، کی حکایت سخاوت ہے۔ اس نے تو تمام سخی فرمانرواؤں پر پانی پھیر دیا۔ ؎

مناقب تفتق ما رقعتم من جود کعب وسماح حاتم (بحر رجز)

کعب کی سخاوت اور حاتم کی فیاضی کو ملا لو تو اس کو بھی یہ مناقب پارہ پارہ کر دیں۔

یہ حسن اتفاق دیکھئے کہ مستنصر باللہ ہوا سے زیادہ فیاض تھا اور اسی کے عہد میں قاآن عادل کی سخاوت ظاہر ہوئی۔ مگر مستنصر باللہ کی سخاوت کو قاآن کی فیاضی سے کیا مقابلہ؟ مستنصر کے پاس اتنا مال کہاں جو قاآن

کے رعایا کی برابری کر سکے؟

رعب

فرمانروا کے لئے ہیبت و رعب بھی ضروری ہے۔ اسی سے مملکت کے نظام کی حفاظت ہوتی ہے اور اسی سے رعایا کے حرص و آز پر قابو پایا جاتا ہے بعض فرمانروا تو اپنا رعب و جلال قائم رکھنے میں بڑا مبالغہ کیا کرتے تھے۔ مثلاً اژدھے، ہاتھی اور شیر کو باندھ رکھنا، بڑے بڑے نرسنگھے، نقارے، دف وغیرہ بجوانا، جھنڈوں کو بلند کرانا اور اپنے سروں پر آویزاں کرانا وغیرہ، یہ سب کچھ عوام کے دلوں کو مرعوب کرنے اور مملکت کا وقار قائم رکھنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ عضد الدولہ جب اپنے تخت پر بیٹھتا تو سانپ، ہاتھی اور شیر زنجیروں میں جکڑ کر لائے جاتے اور اجلاس کے کنارے بٹھائے جاتے تاکہ لوگ مرعوب اور خوفزدہ رہیں۔

سیاست

فرمانروا کے لئے سیاست بھی درکار ہے یہی فرمانروا کا راس المال ہے اسی سے خونریزی کی روک تھام اور مال کی حفاظت ہوتی ہے عصمتوں کا تحفظ، شرارتوں کا سد باب، فسادات کا قلع قمع، ظلم کا انسداد، فتنوں اور بے اطمینانیوں کا علاج سب کچھ اسی کا صدقہ ہے۔

ایفائے عہد

ایفائے عہد بھی فرمانروائی کی جان ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔ (اپنا عہد پورا کرو۔ عہد کی جوابدہی ہوگی) جب کوئی خوفزدہ امان طلب کرے یا کوئی عہد و پیمان کرے تو فرمانروا پر عوامی اعتماد اور دلوں کا اطمینان اسی وصف کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

باخبری اور دار و گیر

فرمانروا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مملکت کے جزئی حالات اور رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی باخبر رہے، نیز نیکوکار اور بدکار کو پوری پوری جزا و سزا دے۔ اردشیر بادشاہ کی باخبری کا یہ عالم تھا کہ عوام و

خواص میں سے جس کے متعلق چاہتا بر بتا دیتا تھا کہ گذشتہ رات تمہارے ساتھ یہ یہ واقعہ گذرا ہے" لوگ کہنے لگے تھے کہ اس کے پاس کوئی آسمانی فرشتہ آتا ہے جو اسے تمام باتوں کی اطلاع دے دیتا ہے۔ یہ سب کچھ دراصل اس کی بیدار مغزی اور تجربہ رسی تھی۔

شرائط امامت

یہ دس خوبیاں ایسی ہیں کہ جن میں یہ موجود ہوں وہ چوٹی کی فرمانروائی (ریاست کبریٰ) کا مستحق ہے مختلف مذاہب کے لوگ اگر واقعی نظرِ غور سے دیکھیں اور اپنی ہوا و رجحان کو ترک کر کے دیکھیں تو امامت کے لئے یہی شرطیں معتبر نظر آئیں گی ان کے علاوہ جو شرائط امامت ہیں وہ غیر ضروری ہیں۔

بزرجمہر کی رائے

بزرجمہر کا کہنا ہے کہ فرمانروا کو رازداری اور صبر میں زمین کی طرح ہونا چاہیئے۔ فسادیوں کے لئے آگ اور نرم خوؤں کے لئے پانی ہونا چاہیئے اسے گھوڑے سے زیادہ سننے والا، عقاب سے زیادہ تیز نگاہ، قطا سے زیادہ راہ یافتہ، کوّے سے زیادہ چوکنا، شیر سے زیادہ جھپٹنے والا، چیتے سے زیادہ جست لگانے والا ہونا چاہیئے۔ اسے محض اپنی رائے منوانے پر ضد نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ وہ ان خاص لوگوں سے مشورے لے جو اہل عقل ہیں اور جن کے اندر ذہانت، عقل، اصابت رائے، قوت تمیز اور واقفیت عامہ کی خوبیاں محسوس ہوں۔ فرمانروا کی عزتِ نفس مشورے دینے والے سے انس پیدا کرنے اور تالیف قلب کرنے میں حائل نہ ہونے پائے ورنہ وہ مخلصانہ و خیر خواہانہ جذبے سے رائے نہیں دے گا۔ خیر خواہانہ جذبہ دباؤ سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہ خوش دلی ہی سے ہو سکتا ہے اس سلسلے میں ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ :-

أهان وأقصى ثم يستنصحوننی ومن ذا الذی يعطی نصيحته قسراً (بحر طویل)

میری اہانت کی جاتی ہے اور مجھے دور پھینکا جاتا ہے اس کے بعد مجھ سے خیر خواہی کا مطالبہ ہوتا ہے ایسا کون شخص ہے جو زبردستی کے دباؤ سے ہی خواہی پیش کرتا پھرے؟

مشورہ لینا۔

خدا فرماتا ہے وشاورھم فی الامر (اہم معاملات میں لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو) اور

خود رسولِ خدا اپنے اصحاب سے ہمیشہ مشورہ کر لیا کرتے تھے غزوہ بدر کے موقع پر حضورؐ ایک جماعت اہلِ اسلام کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ جب میدان بدر میں آئے تو ایک ایسی جگہ پڑاؤ کیا جہاں پانی نہ تھا۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخصؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! یہاں پڑاؤ کرنا بحکم خداوندی ہے یا حضور کی اپنی رائے ہے؟" آنحضرت نے فرمایا: "یہ میری اپنی رائے سے ہے" عرض کیا: "یا رسول اللہ! صحیح یہ ہے کہ یہاں سے ہٹ کر پانی کے پاس پڑاؤ کیجئے۔ اس صورت میں پانی ہمارے قبضے میں ہوگا۔ اور ہم پیاسے نہ مریں گے۔ اور جب مشرکین آئیں گے تو انہیں پانی نہ مل سکے گا اس طرح ان کے مقابلے میں قدرتی مدد ہو جائے گی" حضور نے فرمایا "ٹھیک کہتے ہو" پھر آنحضرت نے ہٹ جانے کا حکم فرمایا اور پانی کے پاس جا کر پڑاؤ ڈالا۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کو تائید غیبی اور توفیق الٰہی حاصل ہے تو خدا نے مشورہ لینے کا کیوں حکم دیا؟ متکلمین اس کے چار جواب دیتے ہیں۔

(۱) حضورؐ کو صحابہؓ سے مشورہ لینے کا حکم تالیفِ قلب اور خوش دلی پیدا کرنے کی غرض سے تھا۔

(۲) یہ مشورہ جنگ کے مواقع کے لئے ہے تاکہ ایک صحیح رائے قائم ہو جائے اور اس پر عمل ہو۔

(۳) یہ حکمِ مشورہ اس لئے تھا کہ اسی میں نفع اور مصلحت ہے۔

(۴) یہ حکم اس لئے تھا کہ آئندہ لوگ اسی کی پیروی کریں۔

میرے نزدیک یہ چوتھا جواب سب سے زیادہ اچھا اور صائب ہے۔ حکماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ مشورے سے اگر غلطی بھی ہو جائے تو یہ اس صحت و صواب سے بہتر ہے جو انفرادی و استبدادی ہو۔ صاحب کلیلہ و دمنہ کا کہنا ہے کہ فرمانروا کے لئے قابلِ اعتماد مشورہ دینے والا ضرور ہونا چاہیئے جو اس دار بھی ہو اور اپنے مشوروں سے اس کی مدد بھی کرے اس میں شک نہیں کہ رائے لینے والا (فرمانروا) رائے دینے والے سے اگرچہ افضل، عقل میں زیادہ پختہ اور رائے میں زیادہ صائب ہے تاہم رائے

۱؎ حباب بن منذر (مترجم)

دینے والے کی رائے اسے اور زیادہ پختگی سے ہمکنار کر دے گی۔ جیسے تیل آگ کی روشنی میں اور اضافہ کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

اذا اعوز الرأی المشورۃ فاستشر برأی نصیح او مشورۃ حازم (بحر طویل)

جب رائے قائم کرنے میں مشکل پیش آئے تو کسی خیر خواہ سے رائے لو یا کسی پختہ کار سے مشورہ کرو۔

الناس علیٰ دین ملوکھم۔

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو فرمانروا کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں اور اسے عام رعایا سے ممتاز کرتی ہیں ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو لوگ بھی اسے پسند کرنے لگتے ہیں وہ کسی چیز سے نفرت کرے تو عوام بھی نفرت کرنے لگتے ہیں وہ کسی چیز سے دلچسپی لینے لگے تو لوگ بھی اسی چیز سے دلچسپی لینے لگتے ہیں خواہ وہ ان کی فطری دلچسپی ہو یا بہ تکلف وہ اسے اپنی فطرت بنالیں۔ لوگ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں اس کا تقرب حاصل ہوجائے اسی لئے تو کہتے ہیں کہ الناس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے فرمانرواؤں کے دین پر ہوتے ہیں) دیکھ لیجئے تاکہ فرمانروایان اسلام کے زمانہ میں لوگوں میں کیا کیا فیشن رہے ہیں۔ جب یہ سلطنت قائم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات سے اس کی شان بلند کی تو لوگوں نے اپنی تمام چیزیں بدل ڈالیں اور فرمانرواؤں کے ڈھب ہر چیز میں اختیار کر لئے، زبان، لباس آلات، رسوم، آداب وغیرہ ہر بات میں وہی طرز اختیار کر لیا۔ حالانکہ نہ ان پر یہ چیز ٹھونسی گئی۔ نہ ان فرمانرواؤں نے امر و نہی سے دباؤ ڈالا ہوا یہ کہ لوگوں نے خود یہ محسوس کیا کہ ان کا پرانا فیشن ان فرمانرواؤں کی نظر میں قابلِ نفرت اور ان کی پسند کے خلاف ہے اس لئے انہوں نے انہی کا فیشن اختیار کر لیا۔ ہر دور میں فرمانرواؤں نے کوئی نہ کوئی فیشن یا فن اختیار کیا اور لوگوں نے بھی اسی سے دلچسپی لینی شروع کر دی حکومت کا یہ ایک خاص خاصہ اور سلطنت کا یہ ایک اثر ہے۔

قابلِ اجتناب اوصاف

کچھ خصلتیں ایسی بھی ہیں جن کا فرمانروا کے اندر نہ ہونا ضروری ہے۔ ابن مقفع نے ایک جگہ ان کا ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے کہ فرمانروا کو کبھی غصے میں نہ آنا چاہیئے کیونکہ طاقت اس کی اپنی ضرورت کے تابع ہوتی

ہے۔ اسے جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہیئے اس لئے کہ اس کی اپنی مرضی کے خلاف کوئی بھی اسے مجبور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اسے بخیل بھی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ محتاجی کا اندیشہ اسے برائے نام ہی ہوتا ہے اسے کینہ پرور بھی نہیں ہونا چاہیئے اس لئے کہ اگر اس سے کوئی برائی سرزد ہو تو کوئی دوسرا اسے سزا نہیں دے سکتا۔ اسے بات کرتے وقت قسمیں بھی نہیں کھانی چاہییں اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم کھانے کی ضرورت انسان کو اس وقت پیش آتی ہے جب اسے اپنے اندر کوئی کمزوری محسوس ہو یا اسے اس کی ضرورت محسوس ہو کہ لوگ اسے سچا سمجھیں یا وہ اظہار ما فی الضمیر پر قادر نہ ہو اور وزن دار بات نہ کر سکے۔ ان تمام صورتوں میں وہ قسم کو اپنی بات کا تتمہ یا تکیہ سخن بناتا ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اسے علم ہوتا ہے کہ لوگ اسے عام طور پر جھوٹا سمجھتے ہیں اس لئے وہ گویا اپنے آپ کو اس پوزیشن میں محسوس کرتا ہے کہ بغیر قسم کھائے لوگ اس کی بات نہ درست سمجھیں گے اور نہ قبول کریں گے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جس قدر زیادہ وہ قسمیں کھاتا ہے اسی قدر لوگ اسے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فرمانروا ایسے ذلیل موقف سے دور ہوتا ہے اور اس کا مقام اس سے بہت بلند ہوتا ہے۔

جو باتیں فرمانروا میں نہیں ہونی چاہییں ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اسے تیز مزاج نہیں ہونا چاہیئے اس لئے کہ تیز مزاجی کی وجہ سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جن پر ندامت ہوتی ہے اور اس وقت ندامت سودمند نہیں ہوتی۔ آپ دیکھیں گے کہ اکثر تیز مزاج جلد باز ہوتے ہیں اور اپنی بات واپس لینے میں بھی جلدی کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خیر امتی حدادھا۔ بہترین اُمتی وہ ہے جو جلد ہی اظہار ندامت کر لے۔

فرمانروا میں اکتاہٹ اور کبیدہ خاطری بھی نہ ہونی چاہیئے یہ اس کے لئے سخت مضر چیز ہے۔

حکمران اور رعایا کے حقوق

یہ یاد رکھیئے کہ رعایا پر بھی فرمانروا کے کچھ حقوق ہیں اور اور فرمانروا پر بھی رعایا کے کچھ حقوق ہیں۔ رعایا پر فرمانروا کے جو حقوق ہیں ان میں ایک ہے فرمانبرداری و اطاعت۔ یہی وہ اصلی بنیاد ہے جس کی مدد سے جمہور کے معاملات درست رہتے ہیں اور اسی کی وجہ سے فرمانروا اس لائق ہوتا ہے۔ کہ

قوی کے مقابلے میں ضعیف کے ساتھ انصاف کر سکے اور صحیح حقوق کی تقسیم کر سکے اس اطاعت پر ابھارنے والی آیات میں ایک مشہور یہ ہے، اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول و اولی الامر کی بھی اطاعت کرو۔) اہل علم کی تو یہ ضرب المثل ہے کہ لا امارۃ لمن لا یطاع (جس کی اطاعت نہ ہوتی ہو اس کی کوئی امارت بھی نہیں)

تاریخ و سیر کی کسی کتاب میں عوام اور فوج کے نظام اطاعت کی وہ مثال نہیں ملتی جو مغلیہ حکومت کے حصے میں آئی۔ مغلیہ حکومت کو رعایا اور فوج دونوں کی جو اطاعت نصیب ہوئی وہ کسی دوسری سلطنت کو نصیب نہیں ہوئی۔ کسریٰ حکومت اپنی عظمت و وسعت کے باوجود اس حد تک نہیں پہنچ سکی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ فرمانروائے حیرہ نعمان بن منذر کسریٰ ہی کی طرف سے عرب میں نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ مدائن کسراؤں کی تخت گاہ تھا جہاں سے حیرہ چند فرسخ سے زیادہ نہ تھا لیکن نعمان ہمیشہ ہی کسریٰ کی نافرمانی کرتا رہا اور جب وہ کسریٰ کی مجلس میں جاتا تو بے احترامی کے ساتھ پیش آتا اور برابر سے جواب دیتا۔ اور جب اطاعت کا جوا گردن سے اتارنا چاہتا تو صحرا میں غائب ہو جاتا اور کسریٰ کے شر سے محفوظ ہو جاتا۔

خلافتِ راشدہ کا اندازِ حکومت

اسلامی حکومت سے ان حکومتوں کو دور کا واسطہ بھی نہیں جو اس کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے۔ پہلی چار خلافتیں ——— ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ بن الخطاب، عثمانؓ بن عفان اور علیؓ بن ابی طالب کی خلافتیں ——— ہر حیثیت سے دنیوی جاہ کی بہ نسبت دینی مرتبے سے زیادہ مشابہ تھیں ان میں سے بعض موٹے کھدر کا لباس اور کھجور کی رسیوں کا جوتا پہنتے۔ ان کی تلوار کی حمائل بھی رسی کی ہوتی اور وہ عام انسانوں کی طرح بازاروں میں گھومتے پھرتے اور جب وہ معمولی سے معمولی آدمی سے گفتگو کرتے تو وہ سخت تر لہجے میں بات کرتا۔ اور یہ تمام باتیں عین دین سمجھی جاتی تھیں۔ وہ دین جسے لے کر آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تھے۔

روایت ہے کہ عمرؓ بن خطاب کے پاس یمن سے کچھ چادریں آئیں۔ آپ نے وہ اہل اسلام کے

درمیان تقسیم کر دیں۔ ہر ایک کے حصے میں ایک ایک چادر آئی۔ عمرؓ کے حصے میں بھی ایک چادر آئی۔ آپ نے اسے کاٹ چھانٹ کر سلوایا اور پہن کر منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر کہا کہ "ہم نہ تمہاری بات سنیں گے نہ اطاعت کریں گے۔" آپ نے پوچھا "کیوں؟" بولا "تم نے ہم لوگوں پر ناجائز امتیاز حاصل کیا ہے؟" فرمایا "کس بات میں میں نے یہ خصوصی امتیاز حاصل کیا ہے؟" اس نے کہا "یعنی چادروں کو جب آپ نے تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصے میں ایک ہی چادر آئی تھی اور وہی حصہ آپ کا بھی تھا۔ ایک چادر میں آپ کا ایک کپڑا نہیں بن سکتا تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پوری مکمل قمیص زیب تن کئے ہوئے ہیں اور ماشاء اللہ یوں بھی آپ دراز قامت ہیں۔ اگر آپ نے اپنا حصہ زیادہ نہ لگایا ہوتا تو اس میں سے ایک پوری قمیص نہ نکل سکتی تھی" — یہ گفتگو سن کر عمرؓ اپنے فرزند عبداللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "عبداللہ تم اس کا جواب دو" وہ کھڑے ہو کر بولے "امیر المومنین عمر نے جب اس کی کتر بیونت کرنی چاہی تو ناکافی نظر آئی لہذا میں نے اپنے حصے میں سے اتنا ٹکڑا دے دیا کہ ان کی ضرورت پوری ہو جائے" — اس معترض نے کہا "اب ہم تمہاری بات بھی سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے" —

سیرت کا یہ انداز دنیوی بادشاہوں جیسا نہیں بلکہ نبوت اور آخرویت سے زیادہ مشابہ ہے۔

(باقی آئندہ)

گلستانِ حدیث

مصنفہ: محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیث نبوی کی تشریح جس سے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے ان کی مطابقت نہایت دلکش انداز سے پیش کی گئی ہے۔ اندازِ نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید افکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ کاغذ و طباعت عمدہ، مجلد مع گرد پوش۔ قیمت ۲۰۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سیکرٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور